بسم الله الرحمن الرحيم

رہبر انقلاب اسلامی

آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی خامنہ ای مدظلہ العالی

کی

نوجوانوں سے مشفقانہ گفتگو

کتاب کا نام : ـــــ رہبر انقلاب اسلامی کی نوجوانوں سے مشفقانہ گفتگو

ناشر : ـــــ مرکز چھاپ و نشر مجمع جہانی اہل بیت (ع)

طبع : ـــــ اوّل

سال طبع : ـــــ سنہ ۱۴۲۰ ھ ق

چھاپخانہ : ـــــ ماہ

تعداد : ـــــ ۳۰۰۰

ISBN: 964-5688-08-6

حقِ چھاپ محفوظ ہے

جمہوری اسلامی ایران ۔ تہران ۔ پوسٹ بکس نمبر : ۱۴۱۵۵/۷۳۶۸

ٹیلیفون نمبر : ۸۹۰۷۲۸۹ فیکس نمبر : ۸۸۹۳۰۶۱

●

موسم بہار کی ایک خوبصورت شام، نوجوان طلبہ و طالبات۔ کھلاڑیوں اور فنکاروں کی ایک مختصر سی ٹیم نے رہبر معظّم انقلاب حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی خامنہ ای مدظلہ العالی سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات نوجوانوں کے ہفتہ کی مناسبت سے طے پائی تھی جس کے لئے جوانوں کی مرکزی کونسل نے تعاون کیا تھا۔ اس ملاقات میں ہدایت کی دلنشین آواز نے نوجوانوں کے سوالات کے جوابات بھی دیئے جن میں سے چند آپ کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

●

فہرست سوالات

● آپ نوجوانوں سے ملتے ہوئے کیسا محسوس کرتے ہیں، ان کیلئے آپ کی پہلی نصیحت کیا ہوتی ہے ؟

● آپ کی جوانی کا دور کیسا گزرا ؟

● آپ کے نزدیک ایک مسلمان نوجوان کی کیا تعریف ہے؟ اس میں کیا خصوصیات ہونے چاہئیں ؟ ایک نوجوان کو اپنی زندگی کا راستہ کیسے طے کرنا چاہیئے اور اپنے ہدف تک کیسے پہنچنا چاہئے؟

● یونیورسٹی کی طالبات کے لحاظ سے ہم حضرت فاطمۂ زہراء سلام اللہ علیہا کی زندگی کو اپنے لئے کیسے عملی نمونہ بنا سکتی ہیں؟ آپ کی جوانی میں آپ کے آئیڈیل کون تھے ؟

● اپنے اجتماعی اور سیاسی امور میں کہیں افراط و تفریط سے

برتر نظریات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کا یقیناً آئندہ نقصان ہوگا، تو اس سلسلہ میں آپ کی نوجوانوں کو کیا نصیحت ہے ؟

◙ اب تک کی انقلابی جد و جہد میں آپ نے نوجوانوں کو کس قدر ذمہ داریاں سونپی ہیں ؟ اور اس سے آپ کو کیسے تجربات حاصل ہوئے؟

◙ انسان کی اہم خصوصیات میں ایک جدّت پسندی ہے، جس کا وہ بناؤ سنگھار اور لباس وغیرہ کے ذریعہ سے اظہار بھی کرتا ہے۔ اس اہم خصوصیت کا استعمال کیسے ہونا چاہئے۔ حکومت نے اس سلسلے میں ابھی تک کیا کیا ہے ؟ کیا اس سلسلے میں کئے جانے والے اقدامات، کامیاب اقدامات تھے؟

◙ ایک نوجوان کو اپنے جوش و جذبے کی حس کو کیسے استعمال کرنا چاہیئے ؟

◙ ہماری اہم حکمت عملی میں کھیلوں کو کیوں شامل نہیں کیا گیا ؟ اور کھیل کو ثقافتی یلغار کے خلاف ڈھال کے طور کیوں استعمال نہیں کیا جاتا ؟

■ جوانوں کے امور میں حکمت عملی وضع کرنے کے لئے ایک مرکز کیوں نہیں قائم کیا جاتا ؟ اور جوانوں کے مسائل — جیسے شادی کا مسئلہ — کے حل کے لئے مختلف اداروں کا آپس میں تعاون اور رابطہ کیوں نہیں ہے ؟

■ آپ کے خیال میں زمانۂ جنگ کے دور کے اقدار اور روحانی فضا، آج کے نوجوانوں میں کیسے منتقل ہو سکتی ہیں ؟

● آپ نوجوانوں سے ملتے ہوئے کیا محسوس کرتے ہیں؟ ان کے لئے آپ کی پہلی نصیحت کیا ہوتی ہے؟

◇ جب میں جوانوں سے ملتا ہوں یا ان کا ماحول ملتا ہے تو میری کیفیت اس انسان کی سی ہوتی ہے جو صبح کی تازہ ہوا میں سانس لیتا ہے. فرحت و تازگی محسوس کرتا ہوں۔ جوانوں سے ملتے ہوئے پہلی چیز جو اکثر ذہن میں آتی ہے یہ ہے کہ ان جوانوں کو خود بھی معلوم ہے کہ ان کی پیشانی پر کیسا تارہ جگمگا رہا ہے؟ میں اس ستارے کو دیکھ رہا ہوں، لیکن کیا خود انھیں بھی معلوم ہے کہ یہ کیسا تارہ ہے؟ جوانی کا ستارہ بہت زیادہ روشن اور خوش قسمتی ہے۔ اگر جوان اس قیمتی اور بے نظیر چیز کا اپنے وجود کے اندر احساس کریں تو میرا خیال ہے انشاء اللہ وہ اس سے بہت فائدہ اٹھائیں گے۔

● آپ کا جوانی کا دور کیسا گزرا؟

◇ وہ زمانہ آج کے دور کی طرح نہیں تھا، بہت بری حالت تھی۔ اس وقت جوانی کا دور کوئی اچھا دور نہیں تھا۔ صرف میرے لئے ہی

نہیں (کہ ایک دینی طالب علم تھا) بلکہ سبھی جوانوں کے لئے وہ کوئی اچھا دور نہیں تھا۔ کیونکہ نوجوانوں پر توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ بہت سی صلاحیتیں نوجوانوں کے اندر ہی دفن ہو جاتی تھیں۔ یہ سب کچھ ہمارا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ دینی مدارس کے ماحول میں بھی اور اس کے علاوہ یونیورسٹیوں میں بھی۔ عرصۂ دراز سے میرا تعلق یونیورسٹی سے بھی رہا ہے، وہاں بھی ویسا ہی ماحول تھا۔ ممکن ہے ان طالب علموں کی صلاحیتیں اپنے مضامین میں اس قدر زیادہ نہ ہوں لیکن دوسری بہت سی صلاحیتیں ان میں موجود تھیں لیکن کوئی ان پر توجہ نہیں دیتا تھا۔

انقلاب سے پہلے میری جوانی کا زیادہ تر حصہ نوجوانوں کے ساتھ گذرا ہے۔ انقلاب جب آیا تو میری عمر تقریبًا انتالیس برس تھی۔ سترہ، اٹھارہ سال کی عمر سے لے کر اس وقت تک میرا اٹھنا بیٹھنا جوانوں کے ساتھ تھا، خواہ ان کا تعلق حوزہ سے ہو یا یونیوسٹی سے۔ جس چیز کا اس وقت شدت سے احساس ہوتا تھا یہ تھی کہ رضا شاہ پہلوی کی سیاست کچھ ایسی تھی کہ جوان پستی میں گرتے جاتے تھے، صرف

اخلاقی پستی ہی میں نہیں بلکہ شخصیت اور انفرادیت بھی پستی کا شکار تھی۔

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ شاہی حکومت نے جان بوجھ کر ایسی حکمت عملی وضع کی تھی کہ ملک کے نوجوان پستی کا شکار ہو جائیں۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو اور ممکن ہے ایسا نہ ہو۔ لیکن ایک بات بہر حال مسلّم ہے وہ یہ کہ ان کی ایک حکمت عملی تھی اور حکومت کو کچھ اس انداز میں چلا رہے تھے کہ جس کے نتیجہ میں نوجوان پستی کا شکار ہو جائیں اور سیاسی مسائل سے دور رہیں۔

آپ اس بات کا یقین کریں گے کہ میرے ہم عمر تقریباً بیس سال کی عمر کے جوانوں کو حکمرانوں کے نام تک معلوم نہ ہوتے تھے کہ کون کون حکومت کر رہا ہے؟ آج آپ میں سے کوئی ایسا ہے جسے وزیر تعلیم کا نہ پتا ہو؟ جو وزیر خزانہ کو نہ جانتا ہو یا اسے صدر کا علم نہ ہو؟ آج ملک کے دور دراز علاقوں میں بھی سب کو یہ باتیں معلوم ہیں لیکن اس وقت سبھی طبقات جن میں جوانوں کا طبقہ بھی شامل ہے، سیاسی امور سے مکمل طور پر غافل تھے۔ جوانوں کا سب سے بڑا مسئلہ روزمرّہ کی

زندگی تھا، کچھ روٹی کے چکر میں تھے۔ کچھ روزی کمانے کے لئے سخت محنت کرنے پر مجبور تھے۔ لیکن ساری کمائی صرف کھانے پینے پر ہی خرچ نہیں ہوتی تھی، اِدھر اُدھر کی اور بہت سی چیزیں بھی ہوتی تھیں۔

اگر آپ لاتینی امریکہ اور افریقہ کے بارے میں لکھی گئی کتابوں پر ایک نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ ہمارا بھی حال وہی تھا لیکن یہ کہ ایران کے بارے میں لکھنے کی کسی میں جرأت نہیں تھی۔ لیکن افریقہ، شیلی یا میکسکو کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ میں جب ان کتابوں کو پڑھتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ ہماری حالت بھی ویسی ہی تھی۔ یعنی ایک جوان مزدور جب سخت محنت کے بعد ایک شاہی (دھیلا) کماتا تو آدھا پیسہ عیاشی اور آوارہ گردی میں خرچ ہو جاتا تھا۔ ان باتوں کو ہم ان کتابوں میں پڑھتے تھے اور حقیقت میں اپنے معاشرے میں موجود پاتے تھے۔ واقعی اس زمانے میں بہت بری صورتحال تھی۔ اس وقت جوانی کا دور بہت برا دور تھا۔ ہاں کچھ جوانوں کے دلوں کے اندر ایک دوسری صورتحال بھی تھی۔ کیونکہ نوجوان بہرحال بنیادی طور پر پاک، پاکیزہ، نیک امیدوں

اور جوش وجذبہ کا حامل ہوتا ہے۔

میں خود بھی ایک جوشیلا جوان تھا۔ انقلاب شروع ہونے سے پہلے بھی۔ ادبی اور فنکارانہ صلاحیتوں کی وجہ سے میری زندگی میں جوش وخروش تھا۔ ۱۳۴۱ھ ش (۱۹۶۲ء) میں جب انقلابی جہاد شروع ہوا تو بھی ویسا ہی جوش تھا۔ اس وقت میری عمر ۲۳ سال تھی۔ ۱۳۴۲ھ (۱۹۶۳ء) میں دو مرتبہ مجھے گرفتار کیا گیا۔ گرفتاری، تفتیش اور پوچھ گچھ یہ سب کچھ انسان کے جوش وجذبہ میں اور اضافے کا باعث ہوتے ہیں۔ پھر جب انسان آزاد ہوتا ہے اور اپنی عوام کو دیکھتا ہے جو کہ اس طرح کے مسائل میں دلچسپی رکھتی ہے اور امام خمینیؒ جیسی شخصیت کو دیکھتا ہے جو ان کی قیادت کر رہی ہے اور قدم قدم پر ان کے افکار کی اصلاح کر رہی ہے تو یہ جوش اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ یہ تھی مجھ جیسے ان لوگوں کی زندگی جو ان حالات میں زندہ رہتے اور غور وفکر کرتے تھے۔ ان میں بہت زیادہ جوش وخروش تھا۔ لیکن باقی سب لوگوں کو یہ جوش وجذبہ نصیب نہ تھا۔

جوان کی فطرت میں، چونکہ جوشیلا پن موجود ہے ــــ یعنی ایک زندہ دلی اور سرشاری کی کیفیت اس میں موجود ہے، اس لئے ہر ایک چیز میں اسے مزا آتا ہے ۔ ایک جوان جب کھانا کھاتا ہے تو لذّت محسوس کرتا ہے، گفتگو کرتا ہے تو لذّت محسوس کرتا ہے، آئینہ دیکھتا ہے تو لذّت محسوس کرتا ہے، سیر و تفریح سے لذّت محسوس کرتا ہے شاید آپ یقین نہیں کریں گے کہ انسان جب اپنی جوانی کے دن گزار چکتا ہے تو وہ مزہ، جو آپ آج محسوس کرتے ہیں، وہ ہرگز محسوس نہیں کرتا۔ اس جوانی کے دور میں ہمارے بزرگ کبھی کبھی کوئی بات کرتے تو ہمیں حیرت ہوئی تھی کہ یہ ایسا کیوں سوچتے ہیں؟ آج ہم دیکھتے ہیں کہ، نہیں، ان کی بات درست ہوتی تھی ۔ لیکن میں نے مکمل طور پر ابھی تک اپنے آپ کو جوانی سے الگ نہیں کیا ہے ۔ آج بھی اپنے اندر جوانی کی ان کیفیات کو محسوس کرتا ہوں اور کوشش کروں گا اسے قائم رکھوں ۔ الحمدللہ اب تک قائم رکھا ہے اور آئندہ بھی قائم رکھوں گا۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو بڑھاپے کے حوالے کر دیا ہے، وہ

اپنی زندگی کے مختلف حالات میں شوق کے ساتھ کام انجام نہیں دے سکتے۔ شاہ کے دور میں کچھ ایسی ہی فضا تھی۔ ایسا نہیں کہ ہر جگہ افسردگی کا ماحول تھا بلکہ اس دور میں غفلت اور بے خبری کا دور دورہ تھا اور عزتِ نفس نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

اس زمانے میں، جبکہ ہم انقلابی جہاد جیسے مسائل میں پوری طرح ڈوبے ہوئے تھے، اس بات سے غافل نہیں تھے کہ کس طرح جوانوں کو شاہی حکومت کے ثقافتی حملوں سے محفوظ رکھا جائے۔ میں خود بھی مسجد جایا کرتا تھا اور تفسیر کا درس دیتا تھا۔ نماز کے بعد تقریر کرتا تھا، کبھی کبھی چھوٹے شہروں اور دیہاتوں کی طرف نکل جاتا اور وہاں تقریریں کرتا۔ ہماری توجہ کا اصل مرکز یہ تھا کہ نوجوانوں کو شہنشاہی حکومت کے ثقافتی چنگل سے رہائی دلوائی جائے۔ اس وقت ہم اس کو نظر نہ آنے والا ایسا جال کہا کرتے تھے، جو کہ سب کو ایک طرف کھینچے چلا جا رہا ہے۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ جہاں تک ہو سکے اس جال کی رسیاں کاٹی جائیں اور جوانوں کو اس سے نجات دلائی جائے۔ جو شخص بھی اس

فکری جال سے باہر نکل نے میں کامیاب ہو جاتا ، اس کی پہچان یہ تھی کہ اول تو وہ دین کا پابند ہو جاتا اور دوسرے امام خمینیؒ کے افکار سے نزدیک ہو جاتا تھا۔ یہ دو چیزیں اب اس کے لئے ایک طرح سے برائیوں کے خلاف ڈھال بن جاتیں۔ اور انہی لوگوں کے ذریعہ سے بعد میں انقلاب کامیاب ہوا ۔ آج بھی ہم ان لوگوں کو پہچانتے ہیں ، کون کس کے ساتھ تھا اور کن افکار کا حامل تھا ۔

بہرحال ، آج کے دور میں آپ کو بہتر فضا میسر ہے ۔ میرے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آج تمام سہولیات میسر ہیں اور تمام چیزیں جیسی ہونی چاہئیں ویسی ہی ہیں لیکن اس زمانے کے مقابلے میں آج حالات بہت بہتر ہیں ۔ اگر ایک نوجوان اچھی زندگی گزارنا چاہے اور اپنی شخصیت اور عزت نفس کو پہچاننا چاہے تو میرے خیال میں اس کے لئے آج یہ سب ممکن ہے ۔

● آپ کے نزدیک ایک مسلمان نوجوان کی کیا تعریف ہے ؟ اس میں کیا خصوصیات ہونی چاہئیں ؟ ایک نوجوان کو اپنی زندگی کا راستہ کیسے طے کرنا

چاہیئے؟ اور اپنے مقصد تک کیسے پہنچنا چاہیئے؟

◇ یہ راستہ طے کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، یہ جو آپ نے سوال میں شرط لگا دی ہے، اس نے میرے لئے جواب کو قدرے مشکل بنا دیا ہے۔ کسی بھی سنجیدہ کام کو انجام دینا، آسان نہیں ہوتا۔ اگر انسان چاہتا ہے کہ کسی قیمتی چیز کو حاصل کرے تو زحمت اور کوشش تو کرنا ہی پڑے گی جہاں تک نوجوان کے خصوصیات کا تعلق ہے تو میرے نزدیک تین خصوصیات ایسے ہیں کہ اگر ان پر توجہ ہو اور انھیں صحیح سمت دی جائے تو میرا خیال ہے کہ آپ کے سوال کا جواب ڈھونڈنا آسان ہو جائے گا۔ وہ تین خصوصیات یہ ہیں: توانائی، اچھی امید، اختراع یا ایجاد۔ یہ جوان کے نمایاں خصوصیات ہیں۔ اگر ذرائع ابلاغ خواہ وہ ٹی۔ وی کی صورت میں ہوں یا تعلیمی اداروں کی صورت میں۔ خواہ مذہبی مقررین کی صورت میں ہوں یا علمی اور ثقافتی مفکرین کی صورت میں، یہ سب اگر ان تین خصوصیات کو صحیح طریقے سے سمت دیں تو میرا خیال ہے کہ جوان بڑے آرام سے اسلامی رسم و راہ کا پابند ہو جائے گا۔ کیونکہ

اسلام بھی ہم سے جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔

قرآن میں بھی ایک بنیادی نکتہ بیان ہوا ہے اور وہ تقویٰ پر توجہ دینا ہے۔ جب لوگ تقویٰ کا تصور کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں نماز، روزہ عبادت، ذکر، دعا وغیرہ آتے ہیں۔ ممکن ہے یہ سب چیزیں تقویٰ میں شامل ہوں لیکن ان میں سے کوئی بھی تقویٰ کا مفہوم ادا نہیں کرتی۔ کیونکہ تقویٰ یعنی اپنا خیال رکھنا۔ تقویٰ یعنی ایک انسان کو یہ معلوم ہونا چاہئیے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اپنے ہر فعل کا ارادہ، فکر اور فیصلہ کے ساتھ انتخاب کرے اس شخص کی طرح جو ایک گھوڑے پر بیٹھا ہے، گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ میں ہے اور اسے معلوم ہے کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ یہ تقویٰ ہے جس شخص کے پاس تقویٰ نہیں ہے اس کے افعال، اس کے فیصلے اور اس کا مستقبل اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ نہج البلاغہ کے مطابق اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے ایک سرکش گھوڑے پر بٹھا دیا گیا ہو نہ کہ خود سے اس پر بیٹھا ہو اور اگر خود سے بھی بیٹھا ہو تو اسے گھڑ سواری

نہیں آتی ۔ لگام اس کے ہاتھ میں ہے لیکن معلوم نہیں کہ کیا کرنا ہے ، معلوم نہیں کہ کہاں جانا ہے ، جہاں گھوڑا لے جائیگا یہ بھی وہیں جائے گا اور کسی طرح بھی نجات ممکن نہیں ہے ۔

اگر ہم تقوے کے اس مفہوم کو ملحوظ رکھیں تو میرا خیال ہے راستہ آسانی سے طے ہو جائے گا ۔ پھر بھی بالکل آسانی کے ساتھ نہیں ۔ بہرحال آسانی سے طے ہو گا ۔ یہ ایک عملی راستہ ہے ۔ نوجوان اسلامی زندگی بسر کرنے کا راستہ اختیار کرے ، دین کو پہچانے ، دیکھے کہ اسے کیا کرنا ہے ۔ یہ عمل ، یہ بات ، یہ دوستی ، یہ فکر ٹھیک ہے یا ٹھیک نہیں ؟ اس کا ہر قدم پر سوچنا کہ عمل ٹھیک ہے یا ٹھیک نہیں ، یہی تقویٰ ہے اگر وہ دیندار نہ بھی ہو تو اس طرح سے سوچنا اسے دین تک پہنچا دیگا قرآن کریم میں ہے : "ھدیً للمتقین " یہ نہیں کہا : "ھدیً للمؤمنین" کیونکہ اگر مؤمن کے پاس تقویٰ نہ ہو تو شاید یہ ایمان پائیدار نہ ہو ، اور آگے اس کی قسمت ہوگی ۔ اگر اچھا ماحول میسر آ گیا تو ایمان پر باقی رہے گا اور اگر اچھا ماحول نہ ملا تو چونکہ اس کے پاس تقویٰ نہیں ہے ،

اس لئے وہ اپنے ایمان کو بھی کھو دے گا۔

پس اگر ہم ان تین خصوصیات کو تقویٰ کے ساتھ استعمال کریں اور انھیں صحیح سمت دیں تو میرے خیال میں جوان آسانی سے ویسی ہی زندگی گزار سکتا ہے جیسی اسلام پسند کرتا ہے۔ خصوصاً اب جبکہ ہمارا ملک بھی اسلامی ملک ہے، یہ بہت اہم چیز ہے۔ حکومت ــــ یعنی اس قوم کا اقتدار۔ اسلام کے ہاتھ میں ہے۔ جن لوگوں کے پاس ذمہ داریاں ہیں، اسلام پر تہ دل سے اعتقاد رکھتے ہیں۔ عوام کے دلوں میں بھی ایمان راسخ ہے۔ لہٰذا مسلمان بننے اور مسلمان رہنے کے لئے فضا بالکل ہموار ہے۔

ایک اور چھوٹی سی مثال دیکر آپ کے سوال کے جواب کو ختم کرتا ہوں۔ افسوس کہ آپ نے جنگ کے عروج کا زمانہ نہیں دیکھا، آپنے جنگ نہیں دیکھی ہے، اس پر افسوس نہیں ہے بلکہ اس بات پر افسوس ہے کہ آپ زمانۂ جنگ کی چند بہترین خصوصیات کو نہیں دیکھ پائے۔ اس وقت آپ ہی کی عمر کے اٹھارہ بیس سالہ لڑکے، لطافت اور معنوی پاکیزگی کے لحاظ سے ایک چالیس سالہ عارف کے مقام کو حاصل کر لیتے تھے۔

اس طرح کی کئی مثالیں زمانۂ جنگ میں دیکھنے کو ملتی تھیں۔ اس زمانے میں جب اس طرح کے جوانوں سے ہمارا سامنا ہوتا تو میں پوری عاجزی و انکساری کے ساتھ ان سے ملتا تھا۔ یہ انکساری و فروتنی ایک سچے جذبہ کے ساتھ ہوتی تھی کیونکہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک آدمی جب کسی بڑے کے سامنے جاتا ہے اور اس کے کمالات کا مشاہدہ کرتا ہے تو تب اپنی کمزوریوں کا بھی اندازہ کرسکتا ہے۔ اسی طرح کا ایک احساس مجھے بھی ان بسیجی اور مجاہد جوانوں سے ملتے ہوئے ہوتا تھا۔ اس زمانہ کا ماحول ہی کچھ ایسا تھا کہ ایک عام جوان اپنے آپ کو اس حد تک بدل سکتا تھا۔

آپ جانتے ہیں کہ آج کی دنیا میں جوان طبقے کی جو حالت ہے: ریپ گروپ، فلاں گروپ، فلاں گروپ، ہزاروں قسم کی اخلاقی و فکری برائیوں سے لبریز۔ آج کے دور میں ان جوانوں کو ہزاروں قسم کی مشکلات کا سامنا ہے۔ اگرچہ ہمارے زمانے میں بھی اس قسم کی چیزیں موجود تھیں مثلاً اس دور میں "بیٹل" نامی ایک گروپ تھا۔ میں نے سنا ہے کہ اس کے ممبر اب بڑھاپے میں پہنچ گئے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ایک

غیر ملکی رسالے میں ان کا قصہ چھپا تھا کہ "بیٹل گروپ" کے لوگ آج کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ روحانی مشکلات اور نفسیاتی پیچیدگیوں نے آج انھیں گھیر رکھا ہے۔ جن لوگوں نے پس ماندہ ممالک میں ان کی دیکھا دیکھی اندھی تقلید شروع کر دی تھی، نہیں جانتے کہ وہ لوگ خود کن مشکلات میں گرفتار ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی پیروی کرنے سے ترقی کر جائیں گے، یہ ترقی نہیں تنزّل ہے۔ جس دور میں دنیا اس طرح کے مسائل میں پھنسی ہوئی تھی ہمارے نوجوان جوانی سے سرشار، سربلندی اور حقیقی سعادت کو اپنے دل کی گہرائیوں میں سموئے، واضح اھداف لئے اپنی ذمہ داریوں کی بجاآوری میں کوشاں نظر آتے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس کی خاطر کر رہے ہیں۔ الحمدللہ اس دور میں جوان اس حقیقی اور معنوی بلندی سے سرشار تھے جو خدائے متعال نے انہیں عطا کی تھی۔

● یونیورسٹی کی طالبات کے لحاظ سے ہم حضرت فاطمۂ زہراء سلام اللہ علیہا کی زندگی کو اپنے لئے کیسے عملی نمونہ بنا سکتی ہیں؟ آپ کی جوانی میں آپ کے آئیڈیل کون تھے؟

◇ اچھا سوال ہے۔ سب سے پہلے تو میں یہ عرض کر دوں کہ آئیڈیل

خود ڈھونڈنا چاہئے، کسی دوسرے کا بنایا ہوا آئیڈیل سب کے لئے آئیڈیل نہیں بن سکتا۔ یعنی ہمیں چاہئے کہ اپنے نظریات کے افق پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ وہاں موجود چہروں میں سے کون ہمیں زیادہ اچھا لگتا ہے، وہی ہمارا آئیڈیل بن جائے گا۔ میرا عقیدہ ہے کہ مسلمان جوان کے لئے، خاص طور پر اس جوان کے لئے جو ائمہ علیہم السلام، اہل بیت اور آغازِ اسلام کے مسلمانوں سے پوری طرح آشنا ہے، آئیڈیل تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اور اس کے لئے آئیڈیل شخصیات کی کمی بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کا ذکر کیا، تو میں چند جملے آپؑ کی شخصیت کے سلسلہ میں عرض کرتا ہوں، شاید دوسرے ائمہؑ اور بزرگوں کے حوالے سے بھی یہ آپ کو سوچنے میں مدد دے سکیں۔

آپ ایک ایسی لڑکی ہیں جو سائنس، صنعت، ٹکنالوجی اور مادی تمدن کے ایک عظیم دور میں زندگی گزار رہی ہیں۔ آپ چودہ سو سال پہلے گزرنے والی ایک شخصیت سے توقع رکھتی ہیں کہ اپنے جیسی زندگی میں اس شخصیت کی تقلید کریں؟ مثلاً دیکھیں کہ وہ یونیورسٹی کیسے

جاتی تھیں؟ یا جب عالمی سیاسی مسائل کے بارے میں سوچتی تھی تو کیسے سوچتی تھیں، ہرگز ایسا نہیں ہے۔

ہر انسان کی شخصیت میں کچھ اصلی خصوصیات ہوتے ہیں، ان کی تنا خت ضروری ہے اور اپنے آئیڈیل میں انہی خصوصیات کو تلاش کرنا چاہیئے، مثلاً آپ فرض کریں کہ آپ کو سمجھنا ہے کہ اردگرد پیدا ہونے والے واقعات سے آپ کو کیسے نمٹنا ہے۔ اب یا تو یہ واقعات اس دور کے ہیں جب کہ کمپیوٹر، جیٹ جہاز، ٹرین اور میٹرو کا دور ہے اور یا پھر اس دور کے ہیں جب یہ تمام چیزیں موجود نہیں ہیں۔ لیکن بہرحال اردگرد واقعات تو موجود ہیں۔ اب اس جگہ پر انسان دو طرح سے حالات سے نمٹتا ہے۔ ایک ذمّہ دارانہ طریقہ ہے اور دوسرا غیر ذمّہ دارانہ۔ ذمّہ دارانہ طریقے کی بھی کئی قسمیں ہیں، کس طرح کا محرک ہے؟ کس نقطۂ نظر سے کام کو انجام دینا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو انسان کو چاہیئے کہ اس لحاظ سے ان اصلی خصوصیات میں اپنے آئیڈیل کو تلاش کرے اور اس کی پیروی کرے۔

حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام کی عمر اس وقت چھ یا سات سال

تھی جب شعب ابی طالب کا واقعہ پیش آیا۔ اسلام کے آغاز میں یہ انتہائی مشکل دور تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلم کھلا اسلام کی دعوت دینا شروع کر دی تھی، مکہ کے لوگ، خاص طور پر جوان اور غلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسلک ہو رہے تھے۔ عرب کے ابلیس صفت بزرگ مثلاً ابولہب، ابوجہل اور کچھ دوسرے حضرات دیکھتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو مکہ سے نکال دیں۔ اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ دسیوں خاندان تھے جس میں پیغمبر آپؐ کے رشتہ دار اور حضرت ابوطالبؑ شامل تھے۔ باوجود اس کے کہ حضرت ابوطالبؑ ایک بڑی شخصیت تھے، آپؑ کو بھی باہر نکال دیا گیا۔ اب جبکہ مکہ سے نکالے گئے تو کہاں جائیں؟ حضرت ابوطالبؑ کی مکہ کے نزدیک، فرض کیجیئے چند کیلومیٹر کے فاصلے پر ایک تھوڑی سی زمین ہے۔ اس کا نام شعب ابیطالب ہے، یعنی حضرت ابوطالب کی ملکیت کی ایک گھاٹی۔ آپؐ نے سوچا کہ وہاں پر چلا جائے۔ اب آپ خود سوچئے کہ مکہ میں جہاں دن کو موسم بہت ہی گرم اور رات کو بے حد

سرد ہو جاتا ہے ، یہ لوگ تین سال تک اس بنجر جگہ پر زندگی گزارتے ہیں ۔ کس قدر بھوک، رنج اور مشکلات کا سامنا کیا ہوگا، خدا ہی جانتا ہے۔ پیغمبر صلعم کی زندگی کا ایک سخت ترین دور وہاں گزرا۔ اس زمانے میں آپؐ کی قیادت کا مطلب صرف چند لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا نہیں تھا بلکہ یہ لوگ جو مصیبت میں گرفتار ہوئے ہیں ان کا دفاع کرنا بھی تھا۔

آپ جانتے ہیں کہ جب حالات اچھے ہوں تو ایک راہنما کے گرد جمع ہونے والے سب لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں ، اسے دل سے دعائیں دیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے آج ہم اتنی اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن جب حالات بدل جائیں اور برے دن آجائیں تو سب لوگ شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں اور سوچنے لگتے ہیں کہ اسکی وجہ سے آج ہماری یہ حالت ہو گئی ہے ۔ اگرچہ مضبوط ایمان والے لوگ ثابت قدم رہتے ہیں تاہم ان تمام مشکلات کا بوجھ رسول صلعم کے کاندھوں پر تھا ۔ اسی اثنا میں حضرت ابوطالب علیہ السلام بھی وفات پا جاتے ہیں ۔ حضرت ابوطالبؑ نبی صلعم کے بہت بڑے حامی تھے

دوسری طرف حضرت خدیجہ علیہا السلام جو نبی صلعم کے لئے ایک بڑی دلاسا دینے والی تھیں، ایک ہفتہ کے اندر دنیا سے چل بسیں۔ اس سانحہ کے بعد نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تنہا رہ گئے۔

مجھے نہیں معلوم آپ کے کندھوں پر کبھی کچھ لوگوں کی ذمّہ داری رہی ہے یا نہیں کہ آپ کو اندازہ ہوا ہو کہ ذمّہ داری اور مسئولیت کیا چیز ہوتی ہے۔ واقعی ایسے وقت میں انسان پریشان ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب ان حالات میں حضرت فاطمۂ زہرا سلام اللہ علیہا کا کردار ملاحظہ کیجئے۔ جب انسان تاریخ کا مطالعہ کرے تو اس طرح کی ضمنی چیزوں پر بھی توجہ رکھنی چاہئے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تاریخ میں عام طور پر ان چیزوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ایک ماں کی طرح نبی صلعم کے ہمراہ رہیں۔ رسول صلعم کے لئے ایک مشیر اور تیمار دار کی طرح تھیں۔ اسی لئے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا تھا "فاطمہ امّ ابیہا" ہیں۔ "ام ابیہا" یعنی اس وقت کہ جب آپ کی عمر صرف چھ سات سال تھی۔ اگرچہ عرب

کے ماحول میں اور گرم علاقوں میں لڑکیاں جسمانی اور روحانی طور پر جلدی بڑی ہو جاتی ہیں، تقریباً ہمارے ہاں کی دس بارہ سالہ لڑکی کی طرح۔

تو یہ جو احساس ذمہ داری ہمیں اس واقعہ میں نظر آتا ہے، کیا ایک جوان کے لئے عملی نمونہ اور آئیڈیل نہیں بن سکتا؟ تاکہ یہ نوجوان بھی اپنے ارد گرد کے واقعات میں اپنی ذمہ داری کا احساس کر سکے۔ ایک نوجوان کے اندر فرحت و تازگی کی کیفیات کا عظیم سرمایہ جنم لیتا ہے، اگر وہ اس کا صحیح استعمال کرے تو اپنے بوڑھے والدین کے دل سے تمام رنج و غم کو دور کر سکتا ہے۔ کیا یہ چیزیں ایک نوجوان کے لئے آئیڈیل نہیں بن سکتیں؟

دوسری مثال، خانہ داری کی ہے۔ شاید کچھ لوگ سمجھیں کہ خانہ داری اور اچھی بیوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خاتون گھر میں اچھا کھانا پکائے اور گھر کو صاف ستھرا رکھے۔ نہیں، خانہ داری کا صرف یہ مطلب نہیں ہے۔ آپ دیکھئے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خانہ داری کیسی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریباً ۱۰ سال مدینے میں گزارے

ہیں ۔ اس زمانہ میں تقریباً ۹ سال حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ علیہا السلام میاں بیوی تھے ۔ اس دوران چھوٹی بڑی کئی جنگیں بھی پیش آئیں ۔ تقریباً ساٹھ جنگیں لڑی گئیں اور تقریباً سبھی جنگوں میں حضرت علی علیہ السلام شریک رہے ۔ اب دیکھئے حضرت فاطمہؑ ایک ایسی بیوی ہیں جن کے شوہر اکثر میدانِ جنگ میں ہیں ۔ اگر آپؑ میدانِ جنگ میں نہ ہوں تو میدانِ جنگ خالی رہ جائے ۔ میدانِ جنگ کو اس قدر آپ کی ضرورت ہے ۔ ادھر مادی لحاظ سے گھر کی وہ حالت ہے کہ جو آپ ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکینا ویتیما واسیراً انما نطعمکم لوجہ اللہ والی آیت میں سن چکے ہیں ۔ یعنی محض مفلسی کی زندگی ہے جبکہ آپؑ ایک پیغمبر کی بیٹی ، ایک راہنما کی بیٹی ہیں ، گویا اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس ہے ۔

غور کیجئے کہ اس کام کے لئے کتنے مضبوط اعصاب اور حوصلہ کی ضرورت ہے کہ ایک خاتون شوہر کو جہاد کے لئے بھیج سکے اس کے دل کو گھر بار اور بچوں کی طرف سے بالکل مطمئن کر دے

اس کا حوصلہ بڑھائے، بچوں کی اتنی شاندار تربیت کرے۔ اگرچہ اب آپ کہہ سکتے ہیں کہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام دونوں امام تھے، ان کے مزاج میں امامت کے صفات تھے لیکن حضرت زینب علیہا السلام تو امام نہ تھیں، لیکن حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا نے ۹ سال کی اسی مدت میں ان کی تربیت کی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وفات کے بعد آپ کی عمر نے بھی زیادہ عرصہ وفا نہ کی۔

اس طرح کی خانہ داری اور سلیقہ مندی کہ تاریخ میں آپ ایک خاندان کی محور قرار پائیں۔ کیا یہ سب چیزیں ایک نوجوان لڑکی کے لئے، ایک خانہ دار خاتون کے لئے یا اس کے لئے جو جلد ہی خانہ داری کے امور سنبھالنے والی ہے، آئیڈیل نہیں بن سکتیں؟!

پیغمبرؐ کی وفات کے بعد، آپؑ کا مسجد میں آنا، وہ بے مثال خطبہ دینا، یہ سب حیران کن چیزیں ہیں۔ ہم لوگ، جو کہ فی البدیہہ مقرر ہیں، اس خطبہ کی عظمت کو بہت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ ایک اٹھارہ بیس سال یا زیادہ سے زیادہ چوبیس سال کی لڑکی ان تمام

مشکلات اور مصائب کے باوجود مسجد میں تشریف لاتی ہے۔ لوگوں کے بہت بڑے مجمع کے سامنے پردے میں رہتے ہوئے تقریر کرتی ہے کہ آج بھی اس تقریر کا ایک ایک لفظ تاریخ میں باقی ہے۔

عرب حافظے میں مشہور تھے۔ ایک شخص آتا ہے۔ اسّی شعروں پر مشتمل قصیدہ پڑھتا ہے۔ محفل ختم ہوتے پر دس آدمی اسی قصیدے کو اپنے حافظے سے دوبارہ لکھتے ہیں۔ یہ جو عربی کے قصیدے باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے اکثر اسی طرح سے رہے ہیں۔ یہ خطبے اور حدیثیں بھی اس طرح باقی بچی ہیں یعنی لوگوں نے انھیں اپنے حافظہ کے بل پر لکھ لیا اور محفوظ کر لیا۔ خواہ مخواہ کی باتیں تاریخ میں رقم نہیں ہو جاتیں۔ ہر ایک بات کو تاریخ نہیں لکھتی۔ کئی اشعار کہے گئے، کئی تقریریں ہوئیں لیکن سب کی سب باقی نہ رہیں، وہ چیز جو تاریخ میں باقی رہی اور چودہ سو سال بعد بھی اس کی عظمت کے سامنے انسان سجدہ ریز ہے، یہ خطبہ ہے۔ میرے خیال میں ایک نوجوان لڑکی کے لئے یہ چیزیں آئیڈیل ہونا چاہئیں۔

آپ بھی اپنی جگہ حق بجانب ہیں کیونکہ قصور ہم ذمہ دار افراد کا ہے۔ دینی اور معنوی امور میں ابھی تک یہ چیزیں کماحقہ، نسل جوان تک نہیں پہنچیں۔ تاہم آپ لوگ خود بھی اس سلسلہ میں کام کر سکتے ہیں۔ ائمہ علیہم السلام کی تمام زندگی میں اسی قسم کی چیزیں موجود ہیں۔

امام محمد تقی علیہ السلام کی زندگی بھی آئیڈیل ہے۔ اتنی عظمت والے امام کا انتقال صرف ۲۵ برس کی عمر میں ہو گیا۔ یہ ہم نہیں کہتے بلکہ تاریخ کہتی ہے۔ وہ تاریخ جسے غیر شیعہ لوگوں نے لکھا ہے۔ "آپؑ نے اپنے بچپن اور نوجوانی ہی سے لوگوں اور بادشاہ وقت مامون کی آنکھوں میں ایک خاص عظمت حاصل کر لی تھی"۔ یہ چیز ہمارے لئے آئیڈیل بن سکتی ہے۔

تاہم اپنے زمانے میں بھی ہمیں آئیڈیل مل سکتے ہیں۔ امام خمینیؒ ایک آئیڈیل تھے، ہمارے یہ بسیجی نوجوان آئیڈیل ہیں، جو شہید ہو گئے وہ بھی اور جو زندہ ہیں وہ بھی۔ اگرچہ انسان کی فطرت اس طرح ہے کہ گزر جانے والے لوگوں اور شہیدوں کے بارے میں آسانی

سے گفتگو کر سکتا ہے ۔ آپ دیکھئے کہ کس طرح کے آئیڈیل آپ کو مل سکتے ہیں، جنگ کے زمانے میں ہم نے دیکھا کہ یہ نوجوان بسیجی اپنے شہر یا گاؤں سے اٹھ کر آتے ، ظاہراً عام آدمی نظر آتے تھے (جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا کہ شہنشاہی حکومت نے صلاحیتوں کی پرورش کا دروازہ بند کر رکھا تھا ، یہ لوگ شہنشاہی حکومت کے تحت ایک عام آدمی نظر آتے تھے) لیکن جب موجودہ حکومت کے تحت میدان جنگ میں آتے تو ایک دم ان کی مخفی صلاحیتیں اجاگر ہو جاتیں ۔ ایک بڑے کمانڈر بن جاتے اور پھر شہادت کا اعزاز پا کر رخصت ہو جاتے ۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں ہمارے پاس موجود ہیں ۔

چند سال پہلے ان کی زندگی کے واقعات پر مشتمل کچھ کتابچے شائع ہوئے تھے "میرا کمانڈر" کے نام سے نوجوانوں کی یادداشت پر مشتمل کچھ واقعات لکھے گئے تھے جس میں انہوں نے اپنے کمانڈر کا ذکر کیا تھا ۔ یہ واقعات ان کمانڈروں کی عظمت بیان کرتے ہیں اور ایک انسان کے لئے آئیڈیل بن سکتے ہیں ۔ اس کے علاوہ ہماری عملی

شخصیات، ہماری ادبی شخصیات، ہمارے کھلاڑی، ہمارے فنکار اور دیگر ممتاز شخصیتیں بھی ایک سی طاے آئیڈیل بن سکتی ہیں۔

انسان اپنے آئیڈیل کو اپنے معیار کے مطابق انتخاب کرتا ہے۔ آپ سے میری گزارش ہے کہ آپ جب بھی آئیڈیل کا انتخاب کرنا چاہیں تو معیار اس "تقویٰ" کو قرار دیں جس کی ہم نے ابھی مفصل تعریف کی ہے۔ اس چیز پر ضرور غور کریں۔ یہ "تقویٰ" کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے نظر انداز کیا جاسکے۔ دنیوی زندگی کے لئے بھی اس "تقویٰ" کی ضرورت ہے اور اخروی زندگی کے لئے بھی یہ تقویٰ ضروری ہے۔

اب یہ سوال کہ وہ کونسی شخصیات تھیں جنھوں نے مجھے متاثر کیا تو جواب یہ ہے کہ بہت سی شخصیات تھیں۔ جوانی میں جس شخصیت نے مجھے متاثر کیا ان میں سب سے پہلے شہید نواب صفوی ہیں۔ جب نواب صفوی مشہد آئے تو میری عمر پندرہ سال تھی۔ مشہد سے ان کے چلے جانے کے چند ماہ بعد انھیں بہت بری طرح سے شہید کر دیا گیا۔ اس چیز نے بھی ہمیں بہت زیادہ متاثر کیا۔ اس کے بعد امام خمینیؒ کی شخصیت ہے

جس نے مجھے متأثر کیا۔ قم آنے سے پہلے اور جہادی کارروائیوں سے پہلے ہی میں نے امام خمینیؒ کا نام سن رکھا تھا اور آپ کی زیارت کرنے سے پہلے ہی میں آپ کا ارادتمند تھا۔ حوزۂ علمیہ قم میں تمام نوجوان آپ کے درس کو بہت پسند کرتے تھے۔ میں بھی جب قم گیا تو بلاتردید آپ کے دروس میں شریک ہونے لگا۔ شروع سے آخر تک ــــ جب تک قم میں رہا ــــ آپ کے درس میں ہمیشہ حاضر ہوتا رہا۔ امام خمینیؒ کی شخصیت نے مجھے بے حد متأثر کیا۔ اس کے علاوہ میرے والدِ محترم اور میری والدہ محترمہ نے بھی مجھے کافی متاثر کیا۔ جن شخصیات نے مجھ پر گہرے اثرات چھوڑے ان میں سے ایک میری والدہ محترمہ بھی ہیں جو کہ ایک بہت ہی مؤثر خاتون تھیں۔

● اپنے اجتماعی اور سیاسی امور میں ہمیں کہیں کہیں افراط اور تفریط سے لبریز نظریات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کا یقیناً آئندہ نقصان ہوگا تو اس سلسلہ میں آپ کی نوجوانوں کو کیا نصیحت ہے؟

◇ کسی کام کو انجام دینے کے انداز مختلف ہو سکتے ہیں۔ ایسی

گھبرانا نہیں چاہئے اور نہ ہی یہ کوئی بری چیز ہے۔ مثال کے طور پر اگر بیات یں دو مختلف انداز ہوں۔ ایک نوجوان ایک انداز کو پسند کرتا ہے اور اور دوسرا نوجوان ایک دوسرے کو تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ نقصان دہ بات یہ ہے کہ ایک کام کو بغیر سوچے سمجھے اور جلد بازی کے ساتھ انجام دیا جائے۔ میں نوجوانوں کو اس بات سے پرہیز کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ جوانی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک دم سے کوئی فیصلہ کر لیا جائے۔ اگرچہ جوانی کا مطلب عمل میں بے باک ہونا ضرور ہے، یعنی ایک طرف یہ کہ ایک کام میں حد سے زیادہ پیچ و خم پڑنے سے پرہیز کرے اور دوسری طرف بالکل ہی بغیر سوچے سمجھے بھی کوئی اقدام نہ کرے۔ ایک نوجوان سوچ کر بھی کام کر سکتا ہے اور بغیر سوچے بھی جوان اگر چاہے تو انتہائی دانشمندی کے ساتھ حق کو مدنظر رکھتے ہوئے خوب سمجھ کر اپنے امور کو انجام دے۔ یہ تمام خصوصیات ایک نوجوان میں موجود ہیں۔ اور خاص طور پر حق کو مدنظر رکھنے والی خصوصیت تو ایک نوجوان کی شخصیت کا

حصہ ہوتی ہے۔ اب اگر انداز مختلف ہوں تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے کم از کم اس کا کوئی بڑا نقصان نہیں ہے۔

دوسروں کی سرے سے نفی کرنا صحیح نہیں ہے۔ ایک انسان معاشرتی مسائل میں ایک نظریہ کا قائل ہو جائے اور کہے کہ حقیقت صرف یہی ہے اور اس کے علاوہ سب غلط ہیں، تو یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ اگرچہ اصول وعقائد میں ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ باین معنی کہ ان مسائل میں اتنا غور کرنا چاہیئے کہ انسان کو ایک مضبوط نقطے تک پہنچا دے جہاں پر جا کر وہ کہہ سکے کہ حقیقت یہی ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ لیکن سیاسی اور معاشرتی امور میں "حقیقت یہی ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں" کا اعلان کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ انسان کو چاہیئے دوسروں کے نظریات کو برداشت کرے۔ اپنی فکر اور نظریات سے نتائج اخذ کرنے میں سنجیدگی کو معیار قرار دے۔ اگر ایسا ہو تو میرے خیال میں کوئی مسئلہ پیش نہیں آئے گا۔

- اب تک کی انقلابی جدوجہد میں آپ نے نوجوانوں کو کس قدر

ذمہ داریاں سونپی ہیں؟ اور اس سے آپ کو کیسے تجربات ہوئے؟

◇ انقلاب کے شروع ہی سے جن امور میں میرا اختیار تھا، میں نے نوجوانوں کو ذمہ داری سونپی: مسلح افواج کی ذمہ داریاں، حکومتی امور کی ذمہ داریاں، اور اسی طرح اپنے صدارتی دور میں، میں نے نوجوانوں کو مختلف ذمہ داریاں دیں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ اگر ہم نوجوانوں پر اعتماد کریں تو نوجوان دوسروں کی نسبت زیادہ بہتر اور زیادہ ذمہ داری سے کام انجام دیتے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان نوجوانوں کو ذمہ داری دی جائے جو اس قابل ہوں اور اسے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ باصلاحیت نوجوان کام کو جلدی بھی انجام دیتا ہے اور اس میں جدت بھی پیدا کر کے دکھاتا ہے۔ اس طرح سے کام میں ارتقاء کا راستہ کھلا رہتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرے لوگ ممکن ہے کام کو اچھا کر دکھائیں لیکن کام میں ارتقاء کا دروازہ بند کر دیتے ہیں اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔

جس وقت ہم انقلابی شوریٰ میں تھے تو اس سلسلے میں ہم اور

دیگر دستوں پر اعتراض کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اسی شوریٰ میں ساٹھ ستر سالہ افراد بھی تھے جو کہ جوانوں کی صلاحیتوں پر زیادہ اعتماد نہیں کرتے تھے۔ اعتراض ہوتا تھا کہ آپ جوانوں کو آنا اوپر کیوں لا رہے ہیں؟ اتنے اہم کام نوجوان لڑکوں کے سپرد کیوں کر رہے ہیں؟ یہ لوگ نوجوانوں کی اتنی حوصلہ افزائی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ہاں اس بات پر انہیں کوئی اعتراض نہ تھا کہ نوجوان ان کی راہنمائی میں ان کے پیچھے چلیں ان کا خیال تھا کہ ہم بڑے ہیں اور یہ نوجوان ؛ انھیں ہمارے پیچھے چلنا چاہئے۔ اسی وجہ سے وہ نوجوانوں پر اعتماد بھی نہیں کرتے تھے لیکن ہمیں اپنے نوجوانوں پر پورا اعتماد تھا اور عملی طور پر ہم نے انہیں اس کا جواب دیا اور دکھایا کہ نوجوانوں کی وجہ سے کام اچھا بھی ہو رہا ہے اور اس سے جدت اور ارتقا بھی موجود ہے۔

نوجوانی کا دور توانائی کا دور ہے، اس توانائی کو کس چیز میں استعمال ہونا چاہئے؟ میرا خیال ہے خاص طور پر اس کا استعمال علم حاصل کرنے میں نفس کی اصلاح اور تقویٰ کی روح پیدا کرنے میں اور

جسمانی توانائی حاصل کرنے میں ہونا چاہیئے۔ یہ تین اہم چیزیں ہیں۔ اگر ایک مختصر جملے میں مجھ سے پوچھا جائے کہ آپ ایک نوجوان سے کیا توقع رکھتے ہیں تو میں کہوں گا، حصولِ علم، تہذیبِ نفس اور ورزش۔ میرا خیال ہے کہ نوجوان میں تینوں خصوصیات ہونے چاہئیں۔

حصول علم میں تحقیق اور علمی کام بھی شامل ہیں۔ نوجوانوں میں کیونکہ اس چیز کا جذبہ ہے، اس لئے انھیں حصول علم کے لئے سخت محنت کرنی چاہیئے۔ میں نے سنا ہے کہ آج کل ہماری یونیورسٹیوں میں نوجوان زیادہ مشکل علمی کام انجام دینے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ ایک لڑکا جب اسکول کی تعلیم کے بعد تعلیم چھوڑ دیتا ہے اور کالج نہیں جاتا تو ہم اسے کتنی نصیحت کرتے ہیں کہ جائے اور پڑھائی کرے لیکن وہ کالج اور یونیورسٹی میں جاکر مشکل علمی کام انجام نہیں دیتا۔ اسے نصیحت نہیں کرتے کہ علمی کام انجام دو!

تو اس کے کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنے کا فائدہ کیا ہوا ؟ یونیورسٹی میں اس لئے آیا جاتا ہے کہ علم کو ترقی حاصل ہو۔ اسی لئے میری نوجوانوں کو نصیحت ہے کہ علم حاصل کرنے کے لئے اپنی جوانیوں کو خرچ کریں۔

ایک سوال یہ ہے کہ "کیا ہمارے اور ترقی یافتہ ممالک کے درمیان موجود فاصلہ ختم ہو سکتا ہے ؟" میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہاں، ایسا ممکن ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے اس راستہ کو طے کیا ہے ہم لوگ اس طرح اس راستہ کو طے نہ کریں، کیونکہ دنیا میں ہزاروں درمیانی راستے (SHORT CUT) بھی موجود ہیں۔ خدا نے خلقت میں جو ایک طبیعت کو پنہاں رکھا ہے، ہم اسے ٹھیک طریقہ سے نہیں پہچان سکے، جبکہ ترقی کے ہزاروں راستے موجود ہیں۔ ایک راستہ وہی ہے جس کو آج کے صنعتی تمدن نے طے کیا ہے۔ ہر قدم کے بعد اس سے اگلا قدم سامنے آتا ہے۔ ہم کیوں ناامید ہو کر بیٹھے ہیں کہ اس کے بعد کوئی نیا دریچہ نہیں کھلے گا اور کوئی نئی چیز ایجاد نہیں ہو سکے گی۔ آج کل تو روز بروز نئی چیزیں دریافت ہو رہی ہیں

ہم لوگوں کو بھی دریافت کے لئے محنت کرنا چاہئے اور اس راستے تک پہنچنا چاہئے جو ہمیں تیزی کے ساتھ ترقی سے ہمکنار کر دے ۔ اور اس کا واحد حل یہ ہے کہ نوجوان ــــ اور خاص طور پر وہ نوجوان جو حصول علم اور تحقیقات میں مشغول ہیں ــــ سخت جد و جہد کریں ۔

آپ جو کام بھی کرنا چاہیں، نوجوانی میں کر سکتے ہیں ۔ تینوں خصوصیات کے حوالے سے آپ کو کام کرنا چاہئے، علم بھی حاصل کریں، اپنے نفس کی بھی اصلاح کریں اور ورزش بھی کریں ۔ کون نہیں جانتا کہ بڑھاپے کی ورزش کی وہ تاثیر نہیں جو جوانی کی ورزش کی ہے ۔ لیکن نفس کی اصلاح کے بارے میں لوگ سمجھتے ہیں کہ انسان کو اسی کے لئے بڑھاپے کا انتظار کرنا چاہئے ۔ "جب بوڑھے ہو جائیں گے تو عبادت اور نفس کی اصلاح بھی کر لیں گے" ۔ جبکہ اس وقت تہذیب نفس انتہائی مشکل اور کبھی کبھی تو ناممکن ہو جاتی ہے ۔ بڑھاپے میں نفس کی اصلاح کرنا مشکل کام ہے لیکن آپ کی عمر میں ــــ نوجوانی میں ــــ تہذیب نفس بہت آسان ہے ۔ نوجوانوں کو چاہئے کہ ان تینوں خصوصیات پر سنجیدگی

کے ساتھ توجہ دیں۔

● انسان کے اہم خصوصیات میں سے ایک جدت پسندی ہے ، جس کا وہ بناؤ سنگھار اور لباس وغیرہ کے ذریعہ سے اظہار بھی کرتا ہے ۔ اس اہم خصوصیت کا استعمال کیسے ہونا چاہیئے ؟ حکومت نے اس سلسلے میں ابھی تک کیا کیا ہے ؟ کیا اس سلسلے میں کئے جانے والے اقدامات کامیاب اقدامات تھے ؟

◇ اس سوال کے جواب میں یہی عرض کرنا چاہوں گا کہ حسن کا رجحان ، حسن پسندی اور حسین بنانا ، یہ سب فطری چیزیں ہیں۔ یہ جدت پسندی سے ذرا مختلف ہے ۔ جدت ایک کلی چیز ہے جبکہ حسن و خوبصورتی سے محبت اس کا ایک جزء ہے ۔ بننا سنورنا اور لباس وغیرہ جدت کا ایک جزء ہے جس کی وجہ سے انسان ، خاص طور پر نوجوان حسن اور حسین بننے کو پسند کرتا ہے ۔ وہ خود بھی خوبصورت بننا چاہتا ہے اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے ۔ ایک طبیعی اور لازمی چیز ہے ۔ اسلام میں بھی اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے ۔ جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ بدکاری اور فسق و فجور ہے ۔

اس حُسن اور حسین بننے کی حس کو معاشرے کی بدکاری کا باعث نہیں بننا چاہئے۔ اس کی وجہ سے کہیں اخلاقی برائیاں جنم نہ لینے لگیں۔ اب یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کے مختلف طریقے ہیں۔ اگر عورتوں اور مردوں کا بلا روک ٹوک میل جول شروع ہو جائے تو برائیاں جنم لینے لگیں گی۔ اگر یہ حُسن کی حس انتہاپسندی کو پہنچ جائے تو فیشن زدگی جنم لے لیگی۔ اسی طرح اگر حسِ زیبائی اور اپنے بالوں اور کپڑوں کے خیال رکھنے کو اپنی زندگی کا اصل مشغلہ بنالیا جائے تو بھی کجروی اور تنزل پیدا ہو جائیگا جبکہ شہنشاہی دور میں بعض اعلیٰ عہدیداروں کی خواتین سنگھار میز پر گھنٹوں بیٹھی رہتی تھیں! اندازاً کتنے گھنٹے؟ چھ، چھ گھنٹے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ ایک انسان اتنا وقت صرف بناؤ سنگھار پر خرچ کر ڈالے؟! وہ بھی اس خاطر کہ اسے فلاں شادی میں جانا ہے اور زلف اور چہرے کی سجاوٹ ایسی ہونی چاہئے! اگر حسِ زیبائی اس حالت کو پہنچ جائے تو سراسر تنزل ہے۔ لیکن اپنے بالوں اور اپنے لباس وغیرہ کا خیال رکھنا کوئی بری بات نہیں اور خودنمائی اور

بناؤ سنگھار کے بغیر ہو تو اس میں ہرگز کوئی حرج نہیں ہے۔

اسلام میں "تبرّج" ممنوع ہے۔ "تبرّج" یعنی خواتین کا مردوں کے لئے سنگھار کرنا اور سج دھج سے رہنا تاکہ انہیں اپنی طرف کھینچ سکیں تو یہ چیز فسق و فجور کا باعث ہے اور اس کے کئی نقصان ہیں۔ اس کا ایک ہی نقصان نہیں کہ ایک نوجوان لڑکی یا لڑکا گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے — یہ تو ابتدائی نقصان ہے — شاید اسے سب سے چھوٹا نقصان بھی کہا جا سکے۔ اس سے اگلا نقصان خاندان کو پہنچتا ہے۔ اس طرح کا لامحدود میل ملاپ خاندان کی بنیادوں کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ کیونکہ خاندان کی زندگی محبت سے قائم ہے۔ حسن و خوبصورتی سے محبت، جنس مخالف سے محبت یہ سب اس محبّت کا حصّہ ہے۔ اگر اس کی فراہمی غلط جگہوں سے ہونے لگے تو خاندان کا یہ اہم ستون جس کا نام محبت ہے، کمزور پڑ جائے گا اور آہستہ آہستہ خاندان کو ہی نابود کر دے گا۔ پھر اس کی حالت وہی ہو جائیگی جو کہ مغربی ممالک اور خاص طور پر شمالی یورپ اور امریکہ کی ہے۔

آج کل امریکہ کو شدت کے ساتھ اس مشکل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے،
خاندان کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ ان کے لئے سب سے بڑی مصیبت یہی ہے۔ اور
سب سے پہلے اس مصیبت کا جو شکار ہوتا ہے وہ خواتین ہیں۔ اگرچہ مردوں
کو بھی اس سے نقصان پہنچتا ہے لیکن خواتین کا نقصان ان کی نسبت
کہیں زیادہ ہے۔ پھر اس کا نقصان اس نسل کو پہنچتا ہے جو اس طرح
کے خاندان میں جنم لیتی ہے۔ آپ آج امریکہ کی گنہگار اور موجودہ
مجرم نسل کو دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ اس کا اصل سوتا وہیں سے پھوٹتا
ہے۔ یعنی "تبرج" ہی برائیوں کی کلید تھی اور جتنی برائیاں آئیں سب اس کے
پیچھے پیچھے آتی چلی گئیں۔

اسلام میں حسن و جمال کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ آپ نے
سنا ہوگا "اِنّ اللّٰہَ جمیل ویحبّ الجمال" خدا جمیل ہے اور
جمال کو پسند کرتا ہے۔ ہماری احادیث کی کتابوں میں بننے سنورنے
کے بارے میں کئی احادیث آئی ہیں۔ نکاح کے باب میں تفصیلی طور پر
بحث ہوئی ہے کہ مردوں اور خواتین کو اپنی حالت کا خیال رکھنا چاہئے

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ مردوں کو سر کے بال منڈوانے چاہئیں۔ نہیں، شریعت میں نوجوانوں کے لئے مستحب ہے کہ سر کے بال رکھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ: "الشعر الحسن من کرامۃ اللہ فاکرموہ" یعنی اچھے بال خدا تعالیٰ کی عطا ہیں، ان کا خیال رکھنا چاہیئے۔ یا ایک اور روایت میں ہے کہ جب رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنے دوستوں سے ملاقات کے لئے جانا چاہتے تھے تو پانی کے برتن کو دیکھتے تھے اور اپنی زلفِ مبارک وغیرہ درست کرتے تھے۔ اس زمانے میں آج کل کی طرح آئینے زیادہ نہیں ہوا کرتے تھے اور خاص طور پر مدینے میں غربت کا عالم تھا۔ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس پانی کا ظرف تھا جس سے آپؐ آئینہ کا کام لیتے تھے اور اپنے دوستوں کی طرف جاتے ہوئے اس میں اپنا چہرہ دیکھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بالوں وغیرہ کا خیال رکھنا، اچھا لباس پہننا اور حسن وجمال کو پسند کرنا اسلامی شریعت میں، پسندیدہ نظروں سے دیکھا گیا ہے۔ لیکن جس چیز کو برا سمجھا گیا ہے وہ چیز ہے جس کے ذریعہ سے معاشرے میں بدکاری، فسق وفجور اور

تیزرج پھیلتی ہے۔ کیونکہ اس کا نقصان ـــ جیساکہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں ـــ خاندان اور بعد میں آنے والی نسلوں کو پہنچتا ہے۔

کچھ دنوں پہلے ایک امریکی رسالے میں ایک چیز دیکھنے کا اتفاق ہوا، جسے بعد میں ہمارے اخبارات نے بھی چھاپا۔ لکھا تھا کہ دو دس بارہ سالہ بچوں نے اسکول میں مورچہ بندی کر کے دوسرے بچوں اور اساتذہ پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ پہلے خطرے کا الارم بجایا تاکہ سب اکٹھے ہو جائیں، پھر ان پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی. ملاحظہ کیجئے ایک معاشرے میں اس قسم کے واقعات کس قدر دردناک ہیں۔ بری تربیت اور بے توجہی کی وجہ سے اس طرح کے بے رحم مجرم جنم لیتے ہیں۔ اور یہ سب لاابالی پن کے نتیجے میں ہوتا ہے۔

● ایک نوجوان کو اپنے جوش و جذبہ کی حس کو کیسے استعمال کرنا چاہئے؟

◇ اچھا سوال ہے، لیکن ذرا مشکل بھی ہے۔ آپ دیکھئے کہ جوش کچھ خاص جگہوں پر ظاہر ہوتا ہے، مثلاً کھیل ـــ خاص طور پر فٹبال جیسے کھیل ـــ ہیں، جو کہ ایک جوشیلی گیم ہے۔ فٹبال کی یہ خاصیت

ہے، والی بال اور ٹینس جیسی کھیلوں کی نسبت اس میں زیادہ جوش پیدا ہوتا ہے۔ فنی امور بھی اگر دلولہ انگیز ہیں لیکن ان میں اتنا ظاہر نہیں ہوتا۔

پس جوش ایک دائرے کے اندر محدود نہیں ہے۔ اگر ایک نوجوان اپنے پسندیدہ میدان میں ــــ خواہ وہ جو بھی ہو ــــ جوش پیدا کر لے تو اس کا بہترین استعمال دین پر کر سکتا ہے۔ اپنے جوانی کے دنوں میں، میں علماء والا لباس پہنا کرتا تھا جس کی وجہ سے ماحول کچھ محدود نظر آتا تھا، لیکن اس کے باوجود میں اپنی جوش وجذبے کی حس کا استعمال کیا کرتا تھا۔ وہ کس طرح؟ مجھے شاعری کا شوق تھا شاید آپ کے لئے یہ تصوّر کرنا مشکل ہو کہ ہماری چار پانچ افراد پر مشتمل ایک محفل ہوتی تھی جس میں شاعری سے شغف رکھنے والے دوست دو تین گھنٹے شعر و شاعری کے بارے میں گفتگو کرتے اور اشعار سنایا کرتے تھے۔ جس شخص کو اس طرح کی چیزوں سے دلچسپی ہو، اپنی جوش وجذبہ کی حس کا یہاں پر استعمال کر سکتا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے فٹبال کا کھلاڑی، فٹبال کے میدان میں یا ایک تماشائی،

فٹبال کا میچ دیکھتے ہوئے اس حس کا استعمال کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں کوئی محدودیت نہیں ہے۔

ایک دوسری مثال جو کہ انجینئرنگ کے طالب علم کی دی جاسکتی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ پڑھائی کرتا ہے لیکن بغیر جوش وجذبہ کے ہم جب پڑھائی کی بات کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ پڑھائی میں جوش وجذبہ نہیں ہوتا یہ بات اگرچہ صحیح ہے کہ کلاس میں اس حس کے استعمال کا موقع نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کلاس کے ساتھ لیبارٹری میں عملی کام ہو اور نوجوان اس لیبارٹری میں اپنی تخلیقی صلاحیت کو استعمال بھی کرسکے تو آپ کا کیا خیال ہے کہ کچھ کم جوش وجذبہ استعمال ہوگا ؟

یہ جو میں اپنے بھائیوں سے عرض کر رہا تھا کہ تحقیقی کام انجام دیجئے، تحقیقی کام شوق اور عشق کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ جس تحقیق کیلئے انسان کو مجبور کیا جائے، خشک اور بغیر جوش وجذبہ کے ہوگی جس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس کے مقابلے میں جو مضمون آپ کو پسند ہے، جس کے لئے آپ یونیورسٹی میں پڑھنے آئے ہیں، آپ کو اچھے استاد

ملے ہیں، ساتھ ہی لیبارٹری بھی موجود ہے جہاں آپ اپنی جدّت پسندی اور تخلیقی صلاحیتوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اس میں آپ کی تحقیق بہت اچھی ہوگی۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جوش و جذبہ کا استعمال کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کیلئے ہمیں پریشان ہونا پڑے۔ اگر مختلف شعبوں میں بہتر مواقع فراہم کئے جائیں تو نوجوان خود ہی اپنی پسند کے مطابق ان شعبوں میں جاکر جوش و جذبہ کی حس کے جوہر کو آشکار کر سکتا ہے ملک کے ذمہ دار حکام کے طور پر ہم اور وہ تمام لوگ جنھیں اس ملک سے محبت ہے۔ خواہ وہ حکومتی ادارے ہوں یا غیر حکومتی ادارے۔ یا جن کا تعلق نوجوانوں کے امور سے ہو۔ واحد کام یہ کر سکتے ہیں کہ نوجوانوں کے لئے میدان کھلا چھوڑ دیں تاکہ وہ صحیح اور مناسب امور انجام دے سکیں۔ اب ایک نوجوان جسے اقتصادی امور سے دلچسپی ہے، ظاہر ہے اقتصاد کی لیبارٹری تو نہیں ہوتی، لیکن اچانک سننے میں آتا ہے کہ فلاں اقتصاد داں اپنے ہی ملک یا کسی باہر کے ملک سے آرہا ہے

اور فلاں جگہ لیکچر دے گا، تو اس نوجوان کے لیے کتنا اہم ہوگا کہ وہ اس کا دعوت نامہ حاصل کرے، اس جگہ پر پہنچے، اس سے سوالات پوچھے۔ یہ سب درحقیقت وہ جوش و جذبہ کی حس کے تحت انجام دے گا۔

فن کی زبان رسا ہے اور اس صفت میں کوئی دوسری زبان اسکا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نہ سائنس کی زبان، نہ وعظ و نصیحت کی زبان اور نہ ہی عام زبان، کوئی بھی فن کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ قرآن کی کامیابی کا ایک راز یہ بھی ہے کہ اس میں فن نہفتہ ہے۔ قرآن فن کے عروج پر جا کر بات کرتا ہے۔ اس زمانے کے لوگ قرآن سن کر مسحور ہو جایا کرتے تھے۔ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فن کی زبان کے بغیر لوگوں سے گفتگو کرتے تو اگرچہ کچھ لوگوں پر اس کا اثر ہوتا لیکن طوفان اور بجلی کا سا اثر ہرگز نہ ہوتا۔ یہ فن ہے جو اس طرح سے کلام کر سکتا ہے۔ آج جب آپ حافظ کی شاعری پڑھتے ہیں تو اس کی تاثیر اور عظمت کو محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اسٹیج پروگرامز کا اثر شاعری اور ادب سے بھی تیز ہے۔ نہیں معلوم کہ یہ اثر لازوال بھی ہے یا نہیں

لیکن زود اثر اور قاطع ضرور ہے۔

پھر آپ لوگ بہت اچھی طرح اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ ڈراموں وغیرہ کی کہانی تحریر کرتے ہیں، پروڈیوسر ہیں، اسٹیج تیار کرتے ہیں یا لباس ڈیزائن کرتے ہیں، ان سب سے میری اپیل ہے کہ آپ کے فن میں ایک نہایت اہم چیز جس کی طرف کم ہی توجہ کی جاتی ہے، لباس ہے۔ جو لباس آپ پہنتے ہیں، کچھ لوگوں کا آئیڈیل بن جاتا ہے کیونکہ اس میں ایک طرح کی کشش ہے۔ لباس ڈیزائن کرتے ہوئے آپ اس پر غور کریں اور اس کے اثرات کا جائزہ لیں۔ خداوند تعالیٰ سے آپ کی ہر میدان میں کامیابی کیلئے دعا گو ہوں۔

● ہماری اہم حکمت عملی میں کھیلوں کو کیوں شامل نہیں کیا گیا؟ اور کھیل کو ثقافتی یلغار کے خلاف ڈھال کے طور پر کیوں استعمال نہیں کیا جاتا؟

آپ نے ملاحظہ کیا کہ ہماری فلمیں جب بین الاقوامی فلمی مقابلہ میں جاتی ہیں تو تماشائیوں اور ججوں کے لیے سب سے زیادہ پرکشش بات یہی عفت ہوتی ہے کہ جو آجکل کی ایرانی فلموں میں پائی جاتی ہے۔ بعض

فلمساز اور پروڈیوسر حضرات خود بخود اس بات کا خیال رکھتے ہیں اور بعض سے اس بات کا خیال رکھوایا جاتا ہے کہ عفت کا لحاظ کریں اور مرد و عورت اور گھریلو زندگی کو اس طرح سے پیش کریں جیسا کہ اسلامی جمہوریہ ایران کا ماحول پسند کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا بھر میں ہمیں ایک خاص برتری حاصل ہے۔

بہت سے لوگوں کے نظریئے کے برعکس، آج دنیا اس بیہودہ بدکاری اور بیکاری سے تنگ آچکی ہے اور اسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتی ہمیں چاہئے کہ اس عفت، نجابت، تندرستی اور حیا کو، جس کا اسلام نے بھی ہمیں حکم دیا ہے، کھیل کے میدان میں بھی رواج دیں۔ اس طرح سے ہم کھیل میں روحانی اور ثقافتی ماحول کی ترویج کرکے اس ھدف تک پہنچ سکتے ہیں جس کا آپ نے ذکر کیا۔ یعنی ثقافتی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں اپنی ثقافت کا ہر میدان میں خیال رکھنا ہو گا۔

جوانوں سے میری ایک گزارش یہ بھی ہے کہ وہ یہ بات سوچ کر کھیل سے دست کش نہ ہوں کہ جب کھیل پر اتنی توجہ دی جائے گی اور فلاں

فلاں کام ہو جائیں گے تب ہم کھیلیں گے ! نہیں ! جوانوں کو ہر حال میں کھیلنا اور ورزش کرنا چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف نوجوانوں کو ورزش کرنا چاہیئے ، اور غیر جوانوں کے لئے ورزش منع ہے ! نہیں ! دوسروں کو بھی کھیل اور ورزش میں حصّہ لینا چاہیئے۔ تاہم نوجوان کو اس سے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ بوڑھوں پر ورزش واجب ہے ، وہ لوگ جو جوانی کی حدود عبور کر کے چالیس پچاس سال کی عمر کو پہنچ گئے ہیں ، ان پر بھی ورزش واجب ہے اور انہیں ورزش کرنا چاہیئے ۔

● نوجوانوں کے امور میں حکمت عملی وضع کرنے کیلئے ایک مرکز کیوں نہیں قائم کیا جاتا ؟ اور جوانوں کے مسائل ـــ جیسے شادی کا مسئلہ ـــ کے حل کیلئے مختلف اداروں کا آپس میں تعاون اور رابطہ قائم کیوں نہیں ہے ؟

◇ شادی ایک بالکل انفرادی مسئلہ ہے ۔ خود خاندان کو چاہیئے کہ اس مسئلہ پر غور کریں حکومتی اور نجی اداروں کو بھی اس سلسلہ میں پبلسٹی کرنی چاہیئے ۔

میری اپنی لوگوں سے گزارش ہے کہ شادی میں زیادہ جھنجھٹ نہ کریں، مہر زیادہ نہ رکھیں، جہیز زیادہ نہ دیں، ولیمہ وغیرہ کی دعوتوں میں زیادہ اسراف نہ کریں۔ ان چیزوں میں ہمیں ابھی کافی محنت کی ضرورت ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ثقافتی حوالے سے پبلسٹی کی جائے تاکہ لوگوں کو یہ چیزیں ذہن نشین کرائی جائیں۔ میرا خیال ہے کہ لوگ اگر ان چیزوں کو سمجھ لیں تو شادی کا مسئلہ کافی حد تک آسان ہو جائے گا۔

شادی کی عمر نہ تو اتنی کم ہونی چاہیئے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جوان ہوتے ہی شادی کر دینی چاہیئے ـــ میں اس چیز کی نفی نہیں کرتا ـــ اگرچہ اس میں کوئی حرج نہیں جلدی شادی کر لی جائے لیکن اس پر بہت اصرار کرنا بھی درست نہیں۔ اور نہ ہی شادی کی عمر اتنی زیادہ ہونی چاہیئے کہ جیسے یورپی لوگ کرتے ہیں۔ تیس چالیس سال کی عمر میں۔ خود غرضی اتنی آگئی ہے کہ اگر مرد تیس چالیس کا بھی ہو تو کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا کہ ایک نوجوان لڑکی سے شادی کرے۔ اتنی عمر گزرنے کے بعد بھی مرد کی خواہش ہوتی ہے کہ کم سے کم عمر کی جوان

لڑکی سے شادی کرے جبکہ اس کی اور اُس کی عمر میں کافی فاصلہ ہوتا ہے۔ یورپی معاشرے کی ان اقدار نے شادی کی بنیادوں کو متنزلزل کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں غیر شادی شدہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو پوری زندگی تنہا گزار دیتے ہیں، خوش قسمتی سے ایران اور دوسرے تمام اسلامی ممالک میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

آخر میں پھر عرض کروں گا کہ شادی کے مراسم میں آسانی پیدا کرنی چاہیے، زیادہ دھوم دھام سے پرہیز کرنا چاہیئے تاکہ نوجوانوں کو شادی کے مرحلہ سے زیادہ نزدیک کیا جا سکے۔ خاندان، خود نوجوانوں، لڑکوں اور لڑکیوں میں ہمت پیدا ہو سکے اور شادی کے راستے میں آنے والی مشکلات دور ہو سکیں۔ اگر حکومت بھی اس سلسلے میں کوئی تعاون کر سکے تو بہت ہی اچھا ہے۔ میری ہمیشہ یہی خواہش رہی ہے اور ذمہ داروں سے بھی ہمیشہ یہی گزارش کی ہے کہ گھر، قرض الحسنہ اور دیگر ضروریات زندگی فراہم کرنے کے لئے نوجوانوں کی مدد کریں۔

فی الحال یہ سب فرضیات ہیں۔ لیکن سب سے پہلے اس کام کی ذمہ داری گھر والوں اور خود اس شخص پر ہے۔

● آپ کے خیال میں زمانۂ جنگ کے دور کی اقدار اور روحانی فضا، آج کے نوجوانوں میں کیسے منتقل ہو سکتی ہے؟

◇ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں اقتصادی معاملات میں تکالیف اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن ایک روز یہ مشکلات ختم ہو جائیں گی۔ اور جو چیز ان مشکلات کا خاتمہ کرے گی۔ انشاء اللہ آپکا یہی روحانی جذبہ اور اسلام اور انقلاب سے رابطہ ہو گا۔ یہی نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ہیں جو ملک کو نجات دلائیں گے۔ میں پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ نوجوان نسل صعوبتوں کے دور میں گرہ کشا ثابت ہو گی۔ جب یہ میدان میں اتر آئی ہے تو چھوٹی بڑی سب گرہیں کھل جائیں گی اور مشکلات ختم ہو جائیں گی۔

ہمارے جوان مؤمن، دیانت دار ہیں اور اپنے ملک اور اسلام سے محبت کرتے ہیں اور امریکہ اور دوسرے ممالک کے تسلط کے

مخالف ہیں۔ یہی چیز آئندہ کام آئے گی۔ یہ سازشیں اور حملے
جو آج ہمارے خلاف ہو رہے ہیں، انشاء اللہ ناکام رہیں گے۔
انشاء اللہ خدا بھی ہماری مدد کرے گا اور امام زمانہ (ارواحنا فداہ)
اس مسلک، اس عمل اور ان جوانوں کے پشت پناہ ہیں۔

آخر میں ایک بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ نوجوان،
آج جو کام بھی انجام دے رہے ہیں، کوئی چھوٹا کام نہیں ہے۔ یہ
تعلیم حاصل کرنا، یہ تحقیقات کرنا، یہ فنکارانہ کام یا یہ کھیل اور ورزش
یہ سب چھوٹے کام نہیں ہیں۔ میری گزارش ہے کہ اپنے کسی کام کو بھی چھوٹا
نہ سمجھئے، آپ کے یہی کام پورے ملک کی مجموعی فعالیت کے ذیل میں
ایک سرنوشت ساز حیثیت کے حامل ہیں۔ مثلاً ایک فنکار اکیلا
فیصلہ کرتا ہے کہ کوئی پروگرام کرے۔ ایک اچھا پروگرام پیش
کرنے کے لئے وہ جتنی محنت کرتا ہے یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ اکیلے
نے ایک چھوٹا سا کام انجام دیا ہے۔ آپ اکیلے اگر ایک کام کو
اچھی طرح انجام دیتے ہیں اور دوسرے سو آدمی بھی آپ ہی کی طرح

کام کرتے ہیں تو یہ مل کر ایک بڑا کام بن جائے گا۔ ورزش بھی اسی طرح سے ہے۔ پڑھائی اور تحقیق بھی اسی طرح سے ہے اور جوانوں کے تمام دیگر کاموں کی بھی یہی مثال ہے۔ یہ بالکل گیارہ فروری کے عظیم الشان جلوس کی طرح سے ہے کہ اگر سبھی لوگ یہ کہنے لگیں کہ جناب مجھ ایک آدمی کے جانے یا نہ جانے سے کیا ہوگا؟ — تو کبھی بھی دس لاکھ افراد کا جلوس نہ نکل سکے گا اور نہ ہی یوم القدس منایا جاسکے گا، لیکن یہاں ہر شخص کو احساس ہے کہ وہ اپنی شرعی ذمہ داری ادا کر رہا ہے۔ میں ایک بار پھر اس بات کی تاکید کرتا ہوں کہ ایک ایک نوجوان جہاں بھی اور جو کام بھی کر رہا ہے، خواہ وہ قرآن کے سلسلے میں ہو، معلومات عامّہ کے سلسلے میں ہو، دینی معلومات کے سلسلے میں ہو، دینی مدارس میں ہو، یونیورسٹی میں ہو، کتاب لکھنے کے سلسلے میں ہو یا کسی بھی دوسرے سلسلے میں. سب کا سب اہم کام ہے۔ اور یہ تمام کام انشاء اللہ ملک کو اعلیٰ درجہ تک پہنچائیں گے۔